Al-Hikmat

Volume 29 (2009) p.p. 1-16

کیا اللہ 'الدّھر' ہے!

ڈاکٹر عبدالحفیظ فاضلی

پروفیسر، شعبہ فلسفہ جامعہ پنجاب، لاہور، پاکستان

خلاصہ

معاملات دین میں سند (authority) کا درجہ صرف اور صرف قرآنِ پاک کو حاصل ہے۔(القرآن،۴۲:۲؛ ۷۳:۶) کسی بھی نظریہ، اصول،عقیدہ، روایت، ارشاد، قول، گمان، خیال، احساس ،وہم، قیاس، تصور، تخیل، تاثر،وجدان، واردات، حال، کشف، شہود، تشریح تعبیر کی صداقت کا حتمی معیار قرآنِ پاک ہی ہے۔قرآنِ پاک جس کی تصدیق کرتا ہے وہ حق ہے،جس کو رد کرتا ہے وہ بغیرالحق ہے۔(۶۱:۲، ۲۱:۳) قرآنِ پاک کے حوالے کے بغیر کی گئی بات محض رائے، قیاس، گمان یا ظنّ کا درجہ رکھتی ہے،'اور ظنّ کسی کو حق سے مستغنی نہیں کرسکتا۔'(cf. ۳۶:۱۰، ۲۸:۵۳) فرمانِ الٰہی سے انحراف الضلال(گمراہی) ہے۔فرمایا گیا ہے: الحق کے بعد ہے ہی کیا مگر گمراہی ۔(۳۲:۱۰) قرآن پاک کے مقابل نظریات باطل ہیں۔(۸۱:۱۷؛ ۱۸:۲۱)اللہ کے بارے میں بے سند بات کرنا اللہ پر افتریٰ باندھنا (concoction) ہے،اور اس سے منع فرمایا گیا ہے۔(۱۷۱:۴ ؛ ۱۸:۱۱) فرمانِ الٰہی کو اپنی خواہش کے مطابق بنانا فسق ہے،اور اللہ فاسق ہی کو گمراہ کرتا ہے۔(۲۶:۲) جو روایات قرآنِ پاک کے معیار پر پوری اترتی ہیں وہ یقیناً حدیث ہیں اور جو اسکے برعکس ہیں وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فرمائی ہوئی بات نہیں ہوسکتیں۔'الدّھر' (یعنی زمانہ) اللہ نہیں ہے اور نہ ہی اللہ' الدّھر' ہے۔'الدّھر' یا 'الدّھور' اسماءالحسنیٰ نہیں ہیں اور نہ ہو سکتے ہیں۔قرآن پاک میں صرف دو مقامات سورہ الجاثیہ اور سورہ الانسان میں 'الدّھر' کا لفظ آیا ہے اور کسی بھی جگہ اس سے اللہ مراد لینا ممکن نہیں۔ صاحبانِ علم کا کام سند کے ساتھ حق کو روشن کرنا ہونا چاہئے نہ کہ بے سند باتوں کو جواز مہیا کرنا۔قرآن پاک کی سند کے ساتھ بات کرنے والے ہر زمانے میں رہے ہیں اور رہیں گے۔انھوں نے کبھی ''زمانے کو اللہ'' یا ''اللہ کو زمانہ'' نہیں کہا۔علامہ محمد اقبال، اور رباسط بلال کوشل زمانے کو خدا مانتے ہیں، امام غزالی صاحب زمانے کو اللہ کی تخلیق قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں زمانہ اور کائنات ایک ساتھ تخلیق ہوئے۔ہمارا مؤقف یہ ہے کہ زمانہ 'خلق' ہے یا 'امر' لیکن خدا نہیں ہو سکتا۔ ذاتِ باری کے بارے میں وہی تصور

خیال، احساس، تشبیہ، تعبیر، روحانی تجربہ روایت، ظن، قیاس، نظریہ، فلسفہ درست ہوگا جو قرآن پاک کی سند کے ساتھ بیان کیا جا سکے۔ بندے کی نیّت کا علم اللہ سے بڑھ کر کسی اور کو نہیں ہو سکتا۔ کس سے درگزر کرنا ہے یہ بھی اللہ ہی جانتا ہے۔ علم کی حد تک کسی بھی نظریے کے درست ہونے کیلئے اسکا قرآنِ پاک سے مطابقت رکھنا ضروری ہے۔

کتاب وشنید صرف قول، ہوتے ہیں۔ ارشاد اگر کتاب وشنید پر مبنی ہو، تو وہ قول ہے۔ عمل کے بعد علم عطا ہوتا ہے۔ ارشاد اگر علم کے مقام سے ہو تو بھی دوسروں کیلئے وہ قول ہی کا درجہ رکھتا ہے اور جب تک پڑھنے یا سننے والا اس کے نتائج پر شاہد ہو کر اپنے حاصلات عمل کو بیان نہیں کرتا، یہ قول ہی رہتا ہے اور فرمانِ الٰہی ہے کہ اے ایمان والو! وہ بات کیوں کہتے ہو جس پر تم خود عمل نہیں کرتے؛ اللہ کے نزدیک یہ نہایت قابلِ نفرت بات ہے کہ تم وہ کہو جس پر تم خود عمل نہیں کرتے۔ (۶۱:۳) جس قول کا تعلق عقیدے سے ہے اسکا قرآنِ پاک کی سند کے ساتھ ہونا ضروری ہے ورنہ وہ بے سند ہوگا اسلئے کہ قرآن پاک کا درجہ 'الحق' ہونے کا ہے۔ احادیث کے مجموعوں کے محترم مرتبین کے خلوص وتقویٰ کے اعتراف کے باوجود یہ کہنے میں کوئی امر مانع نہیں کہ انہیں مرتب کرتے وقت قرآنِ پاک کے مذکورہ بالا فرمان کو کما حقہٗ ملحوظ نہیں رکھا گیا۔ قرآنِ پاک کو معیارِ حق (الحق) ہونے، ہر قسم کی تحریف سے پاک ہونے کی سند اللہ تعالیٰ نے عطا کی ہے۔ احادیث کے مجموعوں کو صحاحِ ستہ (Six Most Correct Compilations) ہونے کی سند اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں دی گئی اور نہ ہی ان کے محترم مرتبین میں سے کسی کو معصوم عن الخطا ہونے کا درجہ حاصل تھا۔ اپنے زمانے کے پاکباز محققین تھے۔ ان کے خلوص وتقویٰ کے اعتراف کے باوجود ان کے اصول تحقیق اور حاصلِ تحقیق کو علمی تنقید کے معیار پر پرکھا جانے میں کوئی شرعی امر مانع نہیں۔ صحاحِ ستہ میں شامل ایک حدیث قارئین کے تدبّر کیلئے پیش ہے۔

"لَا تَسُبُّوا الدَّھر فَاِنَّ اللّٰہَ ھُوَ الدَّھر۔ ایک حدیث ہے جو صحیح مسلم شریف اور صحاحِ ستہ کی دیگر کتب میں بیان ہوئی ہے۔ ڈاکٹر باسط بلال کوشل نے اسے ابن حنبل کی مُسند (Musnad, V, 299 and 311) کے حوالے سے بیان کیا ہے۔ علّامہ محمد اقبال اپنی مشہور فلسفیانہ تصنیف The Reconstruction of Religious Thought in Islam کے پہلے خطبہ میں اس حدیث کا حوالہ ان الفاظ میں دیتے ہیں۔ "The Prophet said: Do not villify time, for time is God". (الدّھر کو برا نہ کہو کہ بے شک الدّھر ہی خدا ہے۔) اور پھر تیسرے خطبہ میں اسی روایت کے حوالے سے زمان اور خدا میں عینیت کے نظریہ کو حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذات اقدس سے منسوب کرتے ہیں۔ باسط بلال کوشل اپنے

مضمون "Muhammad Iqbal's Reconstruction of the Philosophical Arguments for the Existence of God" میں اسکو ڈسکس کرتے ہیں۔ ا یہ روایت معمولی اختلاف کے ساتھ درج ذیل پانچ مختلف صورتوں میں حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

1۔''میں نے سنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے۔آپ فرماتے تھے: بُرا آدمی کہتا ہے زمانے کو ،حالانکہ زمانہ میرے ہاتھ میں ہے،رات اور دن میرے اختیار میں ہے۔''

2۔''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: آدمی مجھے ایذا دیتا ہے بُرا کہتا ہے زمانے کو اور میں خود زمانہ ہوں، پلٹتا ہوں رات اور دن کو۔''

3۔''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا اللہ جلّ جلالہٗ نے ارشاد فرمایا: تکلیف دیتا ہے مجھ کو آدمی، کہتا ہے ہائے کم بختی زمانے کی! تو کوئی تم میں سے یوں نہ کہے ہائے کم بختی زمانے کی! اس لئے کہ زمانہ میں ہوں، رات اور دن میں لاتا ہوں، جب میں چاہوں گا تو رات اور دن موقوف کردوں گا۔''

4۔''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: کوئی تم میں سے یوں نہ کہے، اے کم بختی زمانے کی! اس واسطے کہ زمانہ تو اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔''

5۔''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: لَا تَسُبُّوا الدَّھرَ فَاِنَّ اللہَ ھُوَ الدَّھر ط مت بُرا کہے کوئی تم میں سے الدّھر (یعنی زمانے) کو اس واسطے کے اللہ تعالیٰ خود الدّھر ہے۔''۲

آخری روایت سے اگر صریحاً یہ ثابت ہوتا ہے کہ اللہ اور الدّھر (زمانہ) ایک دوسرے کا عین ہیں، تو پہلی اور چوتھی روایت سے اس کے بالکل متضاد نتیجہ اخذ ہوتا ہے یعنی یہ کہ اللہ اور الدّھر (زمانہ) ایک دوسرے کا عین نہیں ہیں۔ اگر پہلی اور چوتھی روایت حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی فرمائی ہوئی ہیں تو پھر آخری یعنی پانچویں (اور دوسری اور تیسری روایت) حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی فرمائی ہوئی نہیں ہوسکتیں۔

اس حدیث کو علاّمہ محمد اقبال (۱۸۷۷۔۱۹۳۸) نے اپنے مشہور خطبات بعنوان 'تشکیل جدید الٰہیاتِ اسلامیہ' کے پہلے خطبہ میں بیان کیا ہے۔علاّمہ محمد اقبال کا زیادہ تر کام اردو اور فارسی شاعری کی صورت میں ہے۔ان کے فلسفیانہ نثری کاموں میں سب سے اہم یہ خطبات ہیں جو انکی وفات سے چند سال پہلے شائع ہوئے۔اپنے زمانے کی سائنسی اور فلسفیانہ فکر کے حاصلات کو معیارِ عقل (standard of rationality) مان کر کسی مذہب کے بنیادی عقائد اور تعلیمات کو مروجہ سائنسی اور فلسفیانہ اصطلاحات میں یہ ثابت کرنے کیلئے بیان کرنا کہ وہ اپنے زمانے کے معیارِ عقل کے عین مطابق ہیں، اس مذہبی فکر کی تشکیلِ جدید (reconstruction of religious thought) کہلاتا ہے۔ہر مفکر اپنے زمانے کو جدید سمجھتا ہے۔اسکا

مقصد یہ ہوتا ہے کہ اگر یہ ثابت کردیا جائے کہ اسکا مذہب جدید زمانے کے عقلی معیارات کے مطابق ہے تو اس سے اسکے مذہب کی صداقت عقلی اور سائنسی طور پر ثابت ہو جائے گی اور ماننے والوں کو آسانی ہو گی۔علامہ صاحب نے اپنی تشکیل جدید کے مقدمہ میں اسے scientific form of knowledge کا نام دیا ہے۔

معلوم تاریخ میں ایک یہودی عالم، فلو (Philo) پہلا شخص تھا جس نے افلاطون کے فلسفیانہ فکر کو معیارِ عقل مانتے ہوئے یہودیت کو اس کے ساتھ ہم آہنگ ثابت کرنے کی کوشش کی۔۳ عیسائیوں نے بھی اس کی تقلید کی،جس سے تثلیث کا عقیدہ وجود میں آیا۔مسلم الٰہیات میں ذات وصفاتِ باری کے تعلق کا مسئلہ،مسئلہءخلقِ قرآن اور دیگر کئی مسائل دانستہ یا نا دانستہ طور پر اسی طرزِ فکر کے زیرِاثر پیدا ہوئے۔ ۴ الفارابی اور ابن سینا نے بطلیموس کے تصورِ کائنات کو جو نو آسمانوں پر مشتمل تھا جن کے مرکز میں زمین واقع تھی،اور چاند سورج اور معلوم سیاروں کو مختلف افلاک پر ظاہر کیا گیا تھا،اپنے زمانے کے سائنسی نظریہ کی حیثیت سے اور افلاطون اور ارسطو کے فلسفیانہ نظاموں کو معیارِ عقل (standard of rationality) کے طور پر قبول کرلیا اور اسلامی عقاید کو ان کے مطابق ڈھال کر اسلام کی مذہبی فکر کی تشکیلِ جدید کی اور اس کوشش میں تمام بنیادی عقائد کا حلیہ بگاڑ دیا۔امام غزالی صاحب نے اپنی کتاب 'تہافتہ الفلاسفہ' کے ذریعے فکرِ اسلامی کو پہنچنے والے اس شدید نقصان کا ازالہ کیا۔ ۵ برصغیر پاک وہند پر انگریزوں کے قبضے کی صورت میں مسلمانوں کو دیگر نقصانات کے ساتھ ایک بہت بڑے فکری چیلنج کا بھی سامنا کرنا پڑا۔اب نیوٹن کا تصورِ کائنات بطلیموسی سائنس کی جگہ لے چکا تھا۔کائنات کو ایک مشین (closed machine) کی طرح تصور کیا گیا جس میں تمام واقعات قوانینِ فطرت کے مطابق وقوع پذیر ہوتے ہیں۔کوئی چیز اس کے اندر داخل ہوتی ہے نہ اس سے باہر خارج ہوتی ہے۔اس کے زیرِاثر نیچرل ازم کے فلسفے کو فروغ حاصل ہوا،فطری قوانین سے ماوراء کسی واقعہ کا ظہور محال ٹھہرا۔وحی والہام،اور معجزات کو ناممکن ٹھہرایا گیا یا ان کی تعبیر اس طرح کی گئی جیسے قوانینِ فطرت کے تحت وہ کوئی فطری واقعہ ہوں۔اس کائناتی مشین کو پہلی حرکت دینے والے کی حیثیت سے خدا کو ماننا ضروری تھا،ورنہ نیوٹن کے تصورِ کائنات میں خدا کا کوئی رول نہیں تھا۔کائنات اپنے قوانینِ فطرت کے مطابق ہمیشہ ہمیشہ کیلئے از خود رواں دواں تھی۔۶ اس فلسفہ و سائنس کو ماننے والے حاکم بن چکے تھے اور محکوموں کے نظریات وعقائد کو چیلنج کیا جارہا تھا۔ان حالات میں سرسید احمد خاں نے قرآنِ پاک کی تعبیر کی جو نیچرل ازم سے ہم آہنگ ہو۔ظاہر ہے جب قدرتِ الٰہی کو قوانینِ فطرت کے تابع کر دیا جائے گا تو بہت سے عقائد پر زد تو پڑے گی۔انیسویں صدی کے اختتام پر آئن سٹائن کے نظریہ اضافیت نے نیوٹن کے تصورِ کائنات کی جگہ لے لی۔اس تصورِ کائنات کے مطابق کائنات محدود تو تھی لیکن اسکی سرحدیں متعین نہیں تھی۔یہ نہایت تیز رفتاری سے پھیلتی ہوئی کائنات تھی۔کائنات کا سب سے

چھوٹا یونٹ یعنی ایٹم بھی نہایت تیز رفتاری سے حرکت کرتی ہوئی انرجی کی لہروں یعنی الیکٹرون، پروٹان وغیرہ پر مشتمل متحرک حقیقت تھا۔ایک مسلسل پھیلتی ہوئی کائنات میں کچھ بھی مستقل نہیں رہتا۔ایسی کائنات میں شئے کی مستقل حیثیت کا تصور برقرار نہیں رہتا، اب شئے ایک واقعہ بن جاتی ہے۔ مسلسل تبدیل ہوتی ہوئی حقیقت میں واقعے کو ٹائم کے بغیر متصور نہیں کیا جا سکتا۔ چنانچہ سہ ابعادی کائنات کی جگہ چہار ابعادی کائنات کا تصور پیدا ہوا جس میں زمان کائنات کی ایک بُعد متصور کیا گیا۔تمام مقداریں (حتیٰ کہ فاصلے، رفتاریں، اور زمان بھی) جو نیوٹن کے نظریہ میں مستقل تھیں اب اضافی قرار پائیں۔ 7 نفسیات کی سائنس نئی نئی ڈویلپ ہو رہی تھی۔فلسفے میں تجربیت، ہیگل، نٹشے اور جیمز وارڈ لوگوں کو متاثر کر رہے تھے۔علاّمہ محمد اقبال کا وژن یہ تھا کہ جدید فلسفہ و سائنس اسی تصورِ کائنات کے اثبات کی طرف بڑھ رہے ہیں جو اسلام نے دیا ہے۔انھوں نے خیال کیا کہ اگر قرآن کی سائنسی اور فلسفیانہ تعبیر، اور فلسفہ و سائنس کی مذہبی تعبیر، کے ذریعے اس بات کو ثابت کر دیا جائے تو ایک بہت بڑی خدمت ہوگی۔اس کے لئے ضروری تھا کہ اسلام کے بنیادی تصورات کو جدید فلسفہ اور سائنسی علوم کی اصطلاحات میں بیان کیا جائے۔اقبال اپنی کتاب "تشکیلِ جدید الٰہیاتِ اسلامیہ" کے پہلے خطبہ میں استدلال کرتے ہیں کہ وحی و الہام اور وجدان جن پر مذہبی علم استوار ہے اسی طرح حقیقی ذریعہ علم ہیں جس طرح حسی تجربہ اور عقل جو سائنسی اور فلسفیانہ علوم کی بنیاد ہیں۔مزید استدلال کرتے ہیں کہ یہ تمام ذرائع علم در اصل ایک برتر ذریعہ علم 'فکر' کے مختلف درجات اور پہلو ہیں اور آپس میں ہم آہنگ ہیں۔بعد ازاں اقبال فکر اور حیات میں عینیت قائم کرتے ہیں۔نظریہ اضافیت نے زمان کو حقیقت (کائنات) کی چوتھی جہت متصور کرتے ہوئے چہار ابعادی کائنات کا تصور پیش کیا۔اقبال انسانی تجربہ کے درجات، تخلیق کے معنی، حیات اور فکر کی اوّلیت، حقیقت کی مقصدیت، اور ذاتِ باری کے حوالے سے غائیت کا مفہوم وغیرہ مسائل پر فلسفیانہ بحث و تنقید کرتے ہوئے زمان (Time) اور خدا کا فلسفیانہ تصور پیش کرتے ہیں۔علاّمہ صاحب کے سامنے مسئلہ یہ تھا کہ اسلام کے تصورِ خدا اور تصورِ کائنات میں 'زمان' کو کہاں جگہ دی جائے۔زمان کو وہ زمانِ دوراں (Pure Duration) اور زمان مسلسل (Serial time) کی صورت میں متصور کرتے ہیں۔زمانِ دوراں ماضی، حال اور مستقبل کی تقسیم سے ماوراء ایک ابدی حال ہے۔ وہ خدا اور زمانِ دوراں کو ایک قرار دیتے ہیں۔مکان (Space) کو زمانِ مسلسل میں خدا کی فعلیت کے اظہار سے تعبیر کرتے ہیں۔ وہ کائنات کو حقیقت (reality) اور خدا کو حقیقتِ مطلق (Ultimate Reality) کہتے ہیں۔وہ خدا کو حقیقتِ کل (the Whole of Reality) بھی کہتے ہیں۔جب وہ خدا اور کائنات دونوں کی طرف بیک وقت اشارہ کرنا چاہتے ہیں تو وہ The Reality کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔اقبال اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ خدا کا

تصور ہمہ اوستی انداز میں کرنا فلسفیانہ فکر کی مجبوری ہے، تا ہم اپنی ذات پر قیاس کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ حقیقتِ مطلق ایک خودی ہے۔قرآنِ پاک،خدا کو ایک ذات کے طور پر متصور کرتے ہوئے اسم ذات 'اللہ' سے موسوم کرتا ہے۔علّامہ صاحب سورۂ اخلاص کا حوالہ دیکر اللہ کی ماورائیت (incomparable uniqueness) کا اثبات کرتے ہوئے اپنے فلسفیانہ تصورِ خدا (یعنی خودیٔ مطلق یا حقیقتِ مطلق)،اور قرآنی تصورِ خدا (یعنی اللہ) کو ایک قرار دیتے ہیں۔اس مقصد کیلئے ضروری تھا کہ خودیٔ مطلق کی فلسفیانہ طور پر اخذ کردہ صفات اور قرآن پاک میں بیان کی گئی صفات باری میں عینیت ثابت کی جائے۔تیسرے خطبہ میں فلسفیانہ طور پر مطلق خودی کی صفات اخذ کرتے ہیں اور انہیں اللہ کی صفات کے عین قرار دیتے ہیں یا صفاتِ باری کی فلسفیانہ تعبیر کر کے خودیٔ مطلق کی صفات کے ساتھ انکا انطباق کرتے ہیں۔فکرِ اسلامی کی تشکیلِ جدید کے ذریعے وہ جدید دور کے انسان کیلئے مذہب کے حقیقی ہونے کو ثابت کرنا چاہتے ہیں۔اقبال اس کوشش میں اپنے پیشروؤں کی طرح ناکام ہوئے ہیں یا کامیاب رہے،پر کوئی تبصرہ کئے بغیر جس بات کی طرف یہاں توجہ دلانا مقصود ہے وہ یہ ہے کہ اقبال کے اس تصورِ خودی میں تصورِ زمان (concept of time) کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔وہ 'زمان' کا خودیٔ مطلق کی لازمی صفت (essential feature) کے طور پر ادراک کرتے ہیں۔'خودیٔ مطلق' (یعنی حقیقتِ مطلق) اور 'اللہ' کی عینیت کا تقاضا تھا کہ اللہ اور زمانے (Time) کو ایک ثابت کیا جائے۔قرآنِ پاک سے انکا یہ مقصد پورا نہیں ہوتا تھا۔قرآن پاک میں یہ بات کسی بھی آیت سے اخذ نہیں ہوتی تھی۔اس مقصد کیلئے علّامہ صاحب نے صحاحِ ستہ میں سے ایک حدیث تلاش کی جو اوپر بیان کی جا چکی ہے۔ علّامہ صاحب نے اسکا پانچواں ورشن قبول کیا جو اس طرح ہے: حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا: لَا تَسُبُّوْ الدَّھْرَ فَاِنَّ اللّٰہَ ھُوَ الدَّھْر ط (زمانے کو بُرا نہ کہو، بے شک اللہ ہی زمانہ ہے۔) 'زمانے اور اللہ کی عینیت' کے اپنے نظریے کو تقویت دینے کیلئے اقبال یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ مسلم روایت میں 'الدھر' کو اسماء الحسٰنی میں شامل سمجھنے کی مثالیں موجود ہیں۔ ایک مشہور صوفی محی الدّین ابنِ عربی (۱۱۶۵-۱۲۴۰) کے حوالے سے کہتے ہیں کہ وہ 'الدّھر' کو اسماء الحسٰنی میں شامل سمجھتے تھے۔امام فخر الدین رازی (۱۱۴۹-۱۲۰۹) کے حوالے سے مزید کہا کہ انھوں نے اپنی تفسیر قرآن مین بیان کیا ہے کہ بعض مسلم صوفیاء نے انھیں 'دھر'، 'دیھور'، اور 'دیھار' کے الفاظ کا ذکر تلقین کیا۔۸

آیئے دیکھتے ہیں کہ قرآنِ پاک اس بارے میں کیا فرماتا ہے۔

قرآنِ پاک میں 'الدّھر' کا لفظ صرف دو مقامات پر آیا ہے: جنہوں نے اپنی خواہشات کو معبود بنا لیا ہے، جن کے کانوں اور دل پر مہر لگا دی گئی ہے اور آنکھوں پر پردہ ہے، ان کے بارے میں سورہ الجاثیہ میں فرمایا

گیا ہے:

> اور کہتے ہیں، وہ تو ہماری حیاتِ دنیا ہی ہے کہ ہم مرتے ہیں اور جیتے ہیں اور زمانہ [اَلدَّھر] ہی ہمیں ہلاک کرتا ہے۔اور انہیں اس کا علم نہیں وہ تو محض ظنّ میں پڑے ہوئے ہیں۔(۴۵:۲۴)

منکرینِ حق یہ کہتے ہیں کہ حیات دنیا ہی ہمارے مشاہدے میں آتی ہے، موت و حیات کو ہم دیکھتے ہیں، اور اس کے پیچھے کسی کی قدرت کو ہم نہیں دیکھتے۔مشاہدہ ہمارا یہی بتاتا ہے کہ ایک وقت میں ایک شے ء پیدا ہوتی ہے، پھر بڑھتے بڑھتے عروج پر پہنچتی ہے اور پھر زوال پذیر ہو کر ختم ہو جاتی ہے۔اس طرح یہ سب زمانے کا چکر ہے اور زمانہ ہی ہمیں ہلاک کر دیتا ہے۔منکرین حق یہ باتیں کسی علم کی بناء پر نہیں کرتے، یہ باتیں وہ محض اپنے گمان کی بناء پر کرتے ہیں۔۹

سورہ الانسان جسے سورہ الدّھر بھی کہا جاتا ہے، میں انسان کو دعوتِ فکر دیتے ہوئے کہا گیا ہے کہ ذرا اپنی ابتدا کو بھی دیکھ لو:

> کیا انسان پر ایک ایسا وقت نہیں گزرا ہے کہ وہ زمانے (اَلدَّھر) میں کوئی قابلِ ذکر شے نہیں تھا!(۷۶:۱)

رحم مادر میں احساس حمل سے پہلے یعنی نطفے سے لیکر حمل کی ابتدا تک پہلے تین مہینے میں انسان کوئی قابل ذکر شےء نہیں ہوتا۔۱۰

کیا ان مقامات میں سے کسی میں بھی اَلدَّھر سے 'اللہ' مراد لینے کا کوئی قرینہ موجود ہے! ہرگز نہیں! ان دو کے علاوہ کوئی تیسرا مقام ایسا ہے نہیں جہاں یہ لفظ آیا ہو۔چنانچہ پہلی اور چوتھی روایت عین قرآن پاک کے مطابق ہیں، جبکہ پانچویں روایت (اور دوسری اور تیسری بھی) صریحاً قرآن پاک سے متناقض ہیں۔کیا اَلدَّھر کو اللہ تعالیٰ کے اسماء الحسنیٰ میں شامل کرنے کا کوئی ادنیٰ جواز قرآنِ پاک سے ملتا ہے! اللہ سے زیادہ کون اُس کی ذات عالی کو جان سکتا ہے! جب اللہ نے اپنے لئے 'اَلدَّھر' کا لفظ استعمال کرنا پسند نہیں کیا تو کوئی دوسرا کس اتھارٹی پر اللہ کو 'اَلدَّھر' (زمانہ، Time) کے ساتھ عین قرار دے سکتا ہے، کس اتھارٹی پر کوئی اسے اللہ تعالیٰ کے اسماء الحسنیٰ میں شامل کر سکتا ہے! اگر اللہ 'الدھر' ہوتا تو سورہ الجاثیہ میں اس عقیدے کو کہ 'الدھر ہی ہمیں ہلاک کرتا ہے۔'' کافرانہ عقیدہ قرار نہ دیا جاتا! اللہ کے بارے میں بے سند بات کرنا اللہ پر افتریٰ باندھنا

(concoction) ہے،اوراس سے منع فرمایا گیا ہے۔فرمانِ الٰہی ہے:...پھراللہ پر کذب سے افتریٰ باندھنے والے سے بڑھ کرظالم کون ہے کہ لوگوں کو بے علمی سے گمراہ کرتا ہے۔بے شک اللہ قومِ ظالمین کو ہدایت نہیں دیتا۔ (۱۴۴:۶) کیااللہ نے قرآنِ پاک میں یہ فرمایانہیں ہوا:اوراللہ کواس کے اسماءالحسنٰی سے پکارو،اورانہیں چھوڑ دو جواس کے اسماءمیں الحاد کرتے ہیں؛وہ جلدہی اپنے کیۓ کی جزاءپائیں گے۔(۱۸۰:۷)

اوراس سے بڑاظالم کون ہے جواللہ پر کذب سے افتریٰ باندھے یااسکی آیات کی تکذیب کرے،بے شک ظالم فلاح نہیں پاتے۔(۲۱:۶)

اوراس سے بڑاظالم کون جو اللہ پر کذب سے افتریٰ باندھے یاکہے مجھ پروحی ہوئی ہےاوراس پر کچھ وحی نہ ہوئی ہو...۔(۹۴:۶)

...اورجواللہ کے نازل فرمائے ہوۓ کے مطابق حکم نہ کرے،تووہی کافرہیں۔(۴۴:۵)

...اورجواللہ کے نازل فرمائے ہوۓ کے مطابق حکم نہ کرے،تووہی ظالم ہیں۔(۴۵:۵)

...اورجواللہ کے نازل فرمائے ہوۓ کے مطابق حکم نہ کرے،تووہی فاسق ہیں۔(۴۷:۵)

اوراس سے بڑھ کرظالم کون جواللہ پرجھوٹ باندھے۔(۱۸:۱۱)

حکمِ الٰہی ہے:...اوراللہ پرنہ کہومگرحق...(۱۷۱:۴)

علّامہ صاحب نے اس روایت کی پانچ مختلف شکلوں میں سے اس کاانتخاب کیاجسکی تصدیق قرآنِ پاک سے ہوتی نظرنہیں آتی۔اپنے مؤقف کی تائیدابنِ عربی صاحب کےاس قول سے حاصل کرنے کی کوشش کی جواپنےطورپرانتہائی بےسند ہے۔علّامہ صاحب نے خودیہ دعویٰ کیاہے کہ ان کے کلام میں کوئی بات قرآنِ پاک کے خلاف نہیں ہے۔کیادعویٰ کوثبوتِ دعویٰ قرار دیا جاسکتا ہے!"اللہ سےاس کے بندوں میں سے ڈرتے وہی ہیں جوعلم والے ہیں۔"(۲۸:۳۵) سورہ آلِ عمران میں فرمایا گیا ہے: "وہی ہے جس نے آپ پر کتاب نازل فرمائی۔اس کی کچھ آیات محکمات ہیں۔وہ اُمّ الکتاب ہیں۔اوردوسری متشابہات ہیں۔وہ جن کے قلوب میں کجی ہے،مشابہ کے پیچھے پڑتے ہیں،فتنہ چاہنےکواوراسکی تاویل چاہنےکو۔اوراسکی تاویل کاعلم تو اللہ ہی کو ہے۔اورعلم میں راسخ حضرات یہ کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اس پر۔سب ہمارے رب کے پاس سے ہے۔اورنصیحت نہیں مانتے مگرعقل والے۔"(آلِ عمران،۷:۳)تفسیر فاضلی اس آیت کی تفسیراس طرح بیان کرتی ہے:

"یہ کتاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل فرمائی گئی ہے۔اس میں ہدایت ہے،شفا ہے،رحمت ہے،حکمت ہے،اورنصیحت ہے،مگر ہے یہ سب عقل والوں کیلئے۔

کتاب کی آیات دو طرح کی ہیں۔ایک وہ ہیں جو براہ راست احکام کی شکل میں ہیں۔دوسری وہ ہیں جن کے پڑھ لینے سے اور سن لینے سے اس بیان کے مطابق ہم پر حق عاید ہو جاتا ہے۔پہلی محکمات ہیں، اور دوسری متشابہات ۔امّ الکتاب کا درجہ محکمات کو حاصل ہے، کہ ہر فیصلے میں معیار یہی محکمات ہیں۔متشابہات سے جو نتیجہ بھی اخذ کیا جائے، محکمات سے اس کی تصدیق ضروری ہے۔ورنہ اس نتیجے کی صحت کا کوئی ثبوت نہیں ہو گا۔جن لوگوں کے قلوب میں کجی ہوتی ہے وہ ۔۔۔محکمات جو امّ الکتاب ہیں کی پرواہ نہیں کرتے۔متشابہات کیلئے معنی کا تعین کرنے کی کوشش کرتے ہیں مگر اپنے نفس کی خوشی کے مطابق۔یہ گناہ قتل سے زیادہ اشد ہے۔متشابہات کی تاویل کا علم تو اللہ تعالیٰ کو ہے۔۔۔علم میں جن حضرات کو راسخ ہونے کا شرف ہوتا ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے۔یہ سب ہمارے رب کی طرف سے ہے، اس لئے کہ رسول امین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے یہ فرمایا ہے اور رسول ہی صراط مستقیم پر ہونے کی رو سے معیار مطلق ہے۔'' ۱۱

اس آیتِ پاک سے تاویل کا جو اصول اخذ ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ متشابہات کی وہی تشریح درست ہو گی جس کی بنیاد محکمات پر ہو۔محکمات کو نظر انداز کر کے متشابہات کی طرف لپکنے والے لوگ فتنہ جُو ہوتے ہیں۔ کیا حدیث کی تشریح پر بھی یہی اصول لاگو نہیں ہوتا! درج بالا روایت کا جو ورشن زیرِ بحث ہے کیا وہ قرآنِ پاک کی محکمات کے ساتھ ہم آہنگ ہے!

باسط بلال کوشل اپنے محولہ بالا مضمون میں لکھتے ہیں:

"For Iqbal time cannot be nothing and do nothing for the simple reason that "Nature's passage in time is perhaps the most significant aspect of experience which the Quran especially emphasizes and which... offers the best clue to the ultimate nature of Reality" (Iqbal 36). At this point Iqbal reminds the readers of three passages from the Quran that he has already

mentioned (3:190-1; 2:164; 24:44) and cites five more (10:6; 25:62; 31:29; 39:5; 23:80) to point out that the Quran considers time to be one of the greatest symbols of God. The intimacy of the relationship between time and God is summarily conveyed by a Hadith that Iqbal quotes in which "the Prophet said: 'Do not villify time, for time is God'" (Iqbal, 8). The characteristics that are most relevant at this point are dynamism, creativity, and freedom---to the degree that these are characteristics of time they are also the characteristics of God. And it is with this Quranic-scientific conception of time in mind that Iqbal offers an alternative description of teleology: "12

آیئے درجِ بالا اقتباس کا تجزیہ کرتے ہیں۔

ڈاکٹر باسط بلال کوشل، علّامہ صاحب کے الفاظ کا حوالہ دیتے ہوئے (i) 'نیچر کے زمان کے اندر گذران کو اہم ترین انسانی تجربہ قرار دیتے ہیں' جس پر، ان کے بقول، (ii) 'قرآنِ پاک خصوصی زور دیتا ہے'۔ (iii) 'اور جس سے کہ حقیقت کی مطلق نوعیت کی طرف بہترین رہنمائی میسّر آتی ہے۔ 'سوال یہ ہے کہ کیا 'نیچر' اور 'زمان' دو الگ الگ حقیقتیں ہیں اور نیچر زمان کے اندر سفر کرتی ہے یا یہ کہ زمان نیچر کی ایک لازمی خصوصیت کے طور پر نیچر کے اندر شامل ہے! کسی تجربہ کو اہم ترین کہنے کا کیا معیار ہے! میرے علم اور یقین کے مطابق قرآنِ پاک کہیں بھی 'نیچر' اور 'زمان' کو دو الگ الگ حقیقتیں قرار نہیں دیتا۔ اس سے یہ بات بھی غلط ثابت ہو جاتی ہے کہ قرآنِ پاک اس پر کوئی خصوصی زور دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے دن کو آنکھیں کھولنے والا اور رات کو آرام کیلئے بنایا۔ یہ بھی فرماتا ہے کہ اگر ہم ہمیشہ رات ہی ٹھہرا دیتے تو کون ہے جو تمھیں دن لا دیتا یا ہمیشہ دن ٹھہرا دیتے تو کون ہے جو تمھیں رات لا دیتا۔ قرآنِ پاک انسانی ہدایت اور رہنمائی کیلئے اور بھی کئی باتوں کو دہراتا

ہے۔مثلاً کئی مقامات پر فرمایا گیا ہے کہ 'زمین مردہ ہو جاتی ہے تو اللہ آسمان سے بارش برسا کر اسے زندہ کر دیتا ہے، اسی طرح وہ مُردوں کو بھی جزا کیلئے زندہ کرے گا۔'

باسط بلال کوشل صاحب فرماتے ہیں کہ اقبال یہ ثابت کرنے کیلئے کہ قرآنِ پاک 'زمان' کو خدا کی عظیم ترین علامت (symbol) قرار دیتا ہے قرآنِ پاک کے تین مقامات سے حوالے دیتے ہیں، پھر اسے پانچ مزید حوالوں سے سپورٹ کرتے ہیں۔باسط بلال صاحب کہتے ہیں کہ ان آیات سے خدا اور زمان کا جو تعلق سامنے آتا ہے اسے اقبال ایک حدیث کے ذریعے اس طرح بیان کرتے ہیں کہ ''زمان ہی خدا ہے۔'' آیئے قرآنِ پاک کے ان آٹھ مقامات کا جائزہ لے کر دیکھتے ہیں کہ کیا واقعی اقبال کا 'خدا اور زمان کی عینیت' کا نظریہ وہاں سے اخذ ہوسکتا ہے جسے وہ بعد میں ایک حدیث کے ذریعے سپورٹ کرتے ہیں۔

ا۔''بے شک آسمانوں اور زمین کی تخلیق اور لیل ونہار کے اختلاف میں وقوف رکھنے والوں کیلئے نشانیاں ہیں۔وہ جو اللہ کا ذکر کرتے ہیں، قیام وقعود اور کروٹ پر، اور آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں تفکّر کرتے ہیں۔اے ہمارے ربّ! تو نے یہ باطل نہیں بنایا۔تجھے پاکی ہے۔تو ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔(۳:۱۹۰۔۹۱)

۲۔ بے شک آسمانوں اور زمین کی تخلیق اور لیل ونہار کے اختلاف، اور کشتی کہ بحر میں لوگوں کے نفع کو چلتی ہے، اور جو اللہ نے آسمان سے پانی نازل فرمایا پھر اس سے زمین کو زندہ کر دیا بعد اس کے کہ وہ مر چکی تھی، اور اس میں ہر قسم کے جانور پھیلائے، اور ہواؤں کے بدلنے میں، اور بادل جو آسمان اور زمین کے درمیان مسخر ہیں ان میں یقیناً عقلمند لوگوں کیلئے نشانیاں ہیں۔ (۲:۱۶۴)

۳۔ اللہ لیل ونہار کو بدلتا ہے۔اس میں دیکھنے والوں کیلئے عبرت ہے۔(۲۴:۴۴)

4۔وہی ہے جس نے شمس کو ضیاء اور قمر کو نور ٹھہرایا۔اور ان کیلئے منزلیں مقرر کیں، کہ تمھیں برسوں کی گنتی اور حساب کا علم ہو سکے۔اللہ نے یہ سب کچھ یوں ہی نہیں بنایا، بلکہ حق سے بنایا ہے۔علم والے لوگوں کیلئے اپنی نشانیوں کو مفصّل بیان فرماتا ہے۔(۱۰:۵) لیل ونہار کے اختلاف میں، اور جو اللہ نے آسمانوں اور زمین میں خلق فرمایا ہے اس میں، اللہ سے ڈرنے والوں کیلئے نشانیاں ہیں۔(۱۰:۶)

۵۔ اور وہی ہے جس نے لیل ونہار کو یکے بعد دیگرے آنے والا ٹھہرایا، اس کے لئے جو ارادہ کر لے کہ اسے نصیحت لینی ہے یا ارادہ کرے کہ اسے شکر کرنا ہے۔(۲۵:۶۲)

۶۔کیا تم نے دیکھا نہیں کہ اللہ رات کو دن میں داخل کرتا ہے، اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے، اور اسی نے شمس وقمر کو مسخر فرمایا ہے، ہر ایک اجلِ مسمّٰی تک جاری ہے، اور یہ کہ اللہ کو خبر ہے جو عمل تم کرتے ہو۔(۳۱:۲۹)

۷۔اس نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ خلق فرمایا۔وہ رات کو دن پر لپیٹتا ہے اور دن کو رات پر لپیٹتا

ہے۔اور اس نے شمس وقمر کو مسخر فرمایا کہ ہر ایک اجلِ مسمّٰی تک جاری ہے۔سن لو! وہی عزت والا، مغفرت فرمانے والا ہے۔(۳۹:۵)

۸۔اور وہی حیات دیتا ہے، وہی موت دیتا ہے، اور اسی کا کام ہے لیل ونہار کا اختلاف۔تو کیا تم عقل نہیں کرتے۔(۲۳:۸۰)

کسی بھی معقول تفسیر یا تاویل کے ذریعے کسی بھی طرح ان آیات سے ''زمانہ ہی خدا ہے۔'' کے مفہوم کو اخذ نہیں کیا جا سکتا۔سورہ الجاثیہ اور سورہ الانسان/الدّھر کی متعلقہ آیات کا جائزہ ہم پہلے لے چکے ہیں۔اس سے ثابت یہ ہوتا ہے کہ 'زمان اور اللہ کی عینیت کا نظریہ' قطعاً خلافِ حق ہے۔جہاں تک تعلق ہے اس بات کا کہ علاّمہ صاحب نے جو حدیث بیان کی ہے وہ صحاح ستہ میں بیان ہوئی ہے، اس سے صرف یہی نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ سند (authority) کا درجہ صرف اور صرف قرآنِ پاک کو حاصل ہے۔(القرآن، ۴۲:۲ ؛ ۷۳:۶) کسی بھی نظریہ، اصول، عقیدہ، روایت، ارشاد، قول، گمان، خیال، احساس، وہم، قیاس، تصور، تخیل، تاثر، وجدان، واردات، حال، کشف، شہود، تشریح، تعبیر کی صداقت کا حتمی معیار قرآنِ پاک ہی ہے۔قرآنِ پاک جس کی تصدیق کرتا ہے وہ حق ہے، جس کو رد کرتا ہے وہ خلافِ حق (بغیر الحق) ہے۔(۶۱:۲؛ ۲۱:۳) قرآنِ پاک کے حوالے کے بغیر کی گئی بات محض رائے، قیاس، گمان یا ظن کا درجہ رکھتی ہے، 'اور ظن کسی کو حق سے مستغنی نہیں کر سکتا۔' (cf. ۳۶:۱۰ ؛ ۲۸:۵۳) فرمانِ الٰہی سے انحراف الضلال (گمراہی) ہے۔فرمایا گیا ہے: الحق کے بعد ہے ہی کیا مگر گمراہی۔(۳۲:۱۰) قرآن پاک کے مقابل نظریات باطل ہیں۔(۸۱:۱۷؛ ۱۸:۲۱) اللہ کے بارے میں بے سند بات کرنا اللہ پر افترٰی باندھنا (concoction) ہے، اور اس سے منع فرمایا گیا ہے۔(۱۷۱:۴) فرمانِ الٰہی ہے: اور اس سے بڑھ کر ظالم کون جو اللہ پر جھوٹ باندھے۔وہ لوگ اپنے ربّ کے حضور پیش ہونگے، اور گواہی دینے والے کہیں گے، یہی ہیں جنھوں نے اپنے ربّ پر جھوٹ باندھا تھا۔سن لو! ظالمین پر اللہ کی لعنت ہے۔(۱۸:۱۱) حکمِ الٰہی ہے:...اور اللہ پر نہ کہو مگر حق...(۱۷۱:۴) فرمانِ الٰہی کو اپنی خواہش کے مطابق بنانا فسق ہے، اور اللہ فاسق ہی کو گمراہ کرتا ہے۔(۲۶:۲)

جو روایات قرآنِ پاک کے معیار پر پوری اترتی ہیں وہ یقیناً حدیث ہیں اور جو اسکے برعکس ہیں وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی فرمائی ہوئی بات نہیں ہو سکتیں۔'الدّھر' اللہ نہیں ہے اور نہ ہی 'الدّھر' یا 'الدّھور' اسماء الحسنٰی ہیں۔۱۳ صاحبانِ علم کا کام سند کے ساتھ حق کو روشن کرنا ہونا چاہئے نہ کہ بے سند باتوں کو جواز مہیا کرنا۔قرآن پاک کی سند کے ساتھ بات کرنے والے ہر زمانے میں رہے ہیں اور رہیں گے۔انھوں نے کبھی ''زمانے کو اللہ'' یا ''اللہ کو زمانہ'' نہیں کہا۔امام غزالی صاحب زمانے کو اللہ کی تخلیق قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں زمانہ اور

کائنات ایک ساتھ تخلیق ہوئے۔۱۴ ہمارا مؤقف یہ ہے کہ زمانہ 'خلق' ہے یا 'امر' لیکن خدا نہیں ہوسکتا۔۱۵ ذاتِ باری کے بارے میں وہی تصور ،خیال ،احساس،تشبیہہ،تعبیر ،روحانی تجربہ، روایت ،ظن ،قیاس، نظریہ،فلسفہ درست ہوگا جو قرآنِ پاک کی سند کے ساتھ بیان کیا جاسکے۔بندے کی نیّت کا علم اللہ سے بڑھ کر کسی اور کو نہیں ہوسکتا۔کس سے درگزر کرنا ہے یہ بھی اللہ ہی جانتا ہے۔علم کی حد تک کسی بھی نظریے کے درست ہونے کیلئے اسکا قرآنِ پاک سے مطابقت رکھنا ضروری ہے۔

حوالہ جات

نوٹ:مضمون میں درج ترجمہء آیات تفسیر فاضلی سے لیا گیا ہے۔تفسیر فاضلی عربی متن کے قریب رہتے ہوئے ترجمہ کرتی ہے اور قرآن پاک کے ان الفاظ کا ترجمہ نہیں کرتی جو ترجمے کی زبان میں مستعمل ہوں۔

1. Allama Muhammad Iqbal, The Reconstruction of Religious Thought in Islam, p. 8, 58; Basit edt, M. Saeed Sheikh, Lahore: Institute of Islamic Culture, 1999, Bilal Koshal, "Muhammad Iqbal's Reconstruction of the Philosophical Argument Muhammad Iqbal: A Contemporary, (Lahore: Iqbal for the Existence of God" in

Academy Pakistan, 2012, p.110

۲۔ صحیح مسلم شریف مع شرح نووی (مختصر)مترجم۔علامہ وحید الزماں ، مشتاق بک کارنر، اردو بازار، لاہور۔اپریل 1995،ص421-22

3. Philo of Alexandria also Judaeus Philo (c.20 BCE-40 CE), a Jewish Scholar, got so much impressed by Plato that he referred to him as 'the most holy Plato'. Believing Judaism as the revealed truth, and the Platonic philosophy as the standard of rationality, Philo set to developing a speculative and philosophical justification for Judaism in terms of Greek philosophy. In the history of philosophy this was the first attempt at the rational reconstruction of religious thought.

۴۔اشاعرہ اور معتزلہ کے درمیان جو مسائل مابہ النزاع بنے ان میں سے ایک ذات وصفات باری کی نوعیت اور تعلق کا مسئلہ بھی تھا۔یعنی یہ کہ صفات باری،ذات باری سے الگ اور زائد حقیقت کی حامل ہیں یا ایک ہی ہیں۔مسئلہ خلق قرآن /عدم خلق قرآن اسی مسئلہ سے پیدا ہوا۔مسئلہ ذات وصفات باری بھی متکلمین کے غیر قرآنی اصطلاحات کو اپنانے سے پیدا ہوا۔اس موضوع پر تفصیلی مطالعہ کیلئے ملاحظہ کیجئے: عبدالحفیظ، مسئلہ ذات وصفات، اقبالیات، جولائی۔ستمبر ۱۹۹۹ اقبال اکیڈمی پاکستان، ص ۔ ۲۷:۴۳ اور

Abdul Hafeez, 'H. A.Wolfson & A. H. Kamali on the Origin of the Problem of Divine Attributes in Muslim Kalam', in Iqbal Review,October 1998, Iqbal Academy .. Pakista, p 81-96

TAYMIYYAH ON 5. Abdul Hafeez Fazli, IBN SINA, AL-GAZALI AND IBN THE ORIGINATION OF THE WORLD, International Journal of Humanities and Religion (IJHR), 2(1), February,2013, 19-30

6.The Physics of the Universe: Cosmological theories through history, http://physicsof the universe.com/cosmological.html)

7. Einstein's Special Theory of Relativity replaces Newtonian naturalism in 1905 and his General Theory of Relativity in 1915. Newtonian naturalism believed no connection between space and time. Physical space was held to be a flat, three-dimensional continuum (-i.e., an arrangement of all possible point locations-to which Euclidean postulates would apply.) Time was viewed as absolute--i.e. independent of space, as a separate, one-dimensional continuum, completely homogeneous along its infinite extent. So Newtonian universe was an

infinite space existing in an absolute time. Albert Einstein in his Theory of Relativity suggested that time wasn't separate from space but connected to it. Time and space combined to form space-time, and everyone measures his or her own experience in it differently. Einsteinian naturalism sees the fabric of space as four-dimensional. In it time is not absolute, it is relative to the experiencing subject. The basic elements of space-time are events as compared to Newtonian naturalism which believes in static and steady state universe with things as its elements. In any given space-time, an event is a unique position at a unique time. Einstein also suggested that space-time wasn't flat, but curved or "warped" by the existence of matter and energy. Einsteinian naturalism states that objects with large masses can warp [bend/twist] time by speeding it up or slowing it down. How many dimensions are needed to describe the universe is still an open question. According to some modern theories, the universe can only be adequately described by using a system with many more dimensions than were originally proposed by Einstein.

8. Allama Muhammad Iqbal, ibid, 44-49, 58, Index page 243 .

۹۔ حضرت فضل شاہ، محمد اشرف فاضلی، تفسیر فاضلی، جلد ششم، ۱۹۹۷، فاضلی فاؤنڈیشن لاہور، ص ۳۱۷۔۳۱۸

۱۰۔ تفسیر فاضلی، جلد ہفتم، ۱۹۹۸، فاضلی فاؤنڈیشن لاہور، ص ۳۲۸

۱۱۔ تفسیر فاضلی، جلد اول، ۱۹۹۷، فاضلی فاؤنڈیشن لاہور، ص ۱۷۶

12. Basit Bilal Koshul, ibid p.110

13. For Ibn e Arabi's reference as to 'ad-dahr' being one of the beautiful names of God, see p. 58-59.

14. Imam Ghazali believes that the 'universe' and 'the time' both have been created in the past ex-nihilo at a moment which is at a limited temporal distance from the present moment. G. F. Hourani, "The dialogue between Al-Ghazali and the philosophers on the origin of the world", part-I, The Muslim World, vol.48 Issue 4(1958), p.183.

15. Referring to verse 54 of surah al-A'raf which says that:"... all creation and command belong to Him." 'Abu al-Hasan al-Ash'ari argues that 'Creation' and 'Command' are two different categories. Abu 'L-Hasan 'Ali Ibn Isma'il Al-As'ari, Al-

Ibaanah an Usul Ad-Diyaanah(Eng. tr. The Elucidation of Islam's Foundation by Walter C. Klein), American Oriental Society, New Haven, 1940, p. 66, 67, 76. According to our understanding Quranic ontology consists of three categories: Allah, the Creation (Khalq), and the Command (Amr). Whatever has come into being from God, either belongs to the category of Khalq or to the category of Command. Abdul Hafeez Fazli, "The Quran: Creation or Command!" International Journal of Humanities and Religion [IJHR], 2(10) December 2012: 75 -83, India.